OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

برصغیر میں مثنوی معنوی کی اُردو شرح نویسی: بیسویں صدی کے تناظر میں ایک مطالعہ

A Study of Urdu exegesis of *Mtẖnwy̱ Mʿnwy̱* in the the Subcontinent: A Study from the context of twentieth Century

Omair Shafiq

Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore

Dr. Ata Ur Rehman

Assistant Professor, Department of Islamic Studies Lahore Garrison University

Abstract

After the beginning of the 20th century and the British domination, such fundamental changes took place at every level of the Indo-Islamic civilization. The majority of the scholars who were fierce in Islam had fallen in front of limited knowledge, communism, capitalism, liberalism and nationalism. In such a difficult time, Islamic thinkers and Sufi saints equipped with Islamic and modern knowledge step ahead and presented themselves for the service of religion. These Islamic thinkers popularized the teachings of Masnavi Manawi through their compilations, articles and various lectures. However, there is historical evidence that these Sufis and their caliphs continued to give priority to the 'Musnawi Maanwi' in their teachings. In this way, the Islamic ideas and thoughts contained in Masnavi Manawi became popular among the people. As if Masnavi has a big hand in the renaissance of Muslims in the subcontinent, as if Masnavi dominates the entire history of Islamic education in other

CC BY

senses. It has been more or less eight hundred years since Maulana Jalaluddin Rumi (1207-1273) left this world. During this long period, almost every period shows a large number of works on the Masnavi, which gives clear evidence of the popularity and universality of the Masnavi. Masnavi is a book of divine mysteries. Therefore, this valuable work has the status of an inspired book in Iran, Turkey and the Indian subcontinent. In view of the importance and usefulness of Masnavi, many scholars, Sufis and modern thinkers wrote exegesis on it for the convenience of the people. In this article, this exegesis (explanations) will be studied briefly.

Key Words: Jalāl al-Dīn Muḥammad Rūmī, Mtẖnwy̰ M'nwy̰, Divine Mysteries, Sufis, Exegesis

تمہید

صلیبی جنگوں اور منگولوں کی بلادِ اسلامیہ پر یلغار نے مسلمانوں کو حالات کو ہر لحاظ سے دگرگوں بنا دیا۔ ایسے کڑے وقت میں صوفیائے کرام نے مسلمانوں کی دل جوئی کی اور اُن کا رشتہ اِسلام سے جوڑے رکھا۔ ایسے تاریک دور میں اللہ تعالیٰ نے مولانا جلال الدین رومی کو ایک مبلغ اور مصلح بنا کر اس دنیا میں بھیج دیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں ان تمام غیر اسلامی افکار کے خلاف صدائے اعتراض بلند کی۔ آپ نے پند و نصائح کے ساتھ ساتھ اپنے شعری کلام کے ذریعے اُمت میں اِسلامی شعور کو بیدار کیا۔ مولانا کے شعری کلام میں اُن کی 'مثنوی معنوی' نے آنے والی تاریخ میں انسانی ذہنوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ تب سلوک و تربیت میں جو مقام آپ کی مثنوی و معنوی کو نصیب ہوا تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مثنوی معنوی ایک دریائے ناپیدا کنار ہے جس میں مولانا کی تعلیمات اور فلسفہ تفصیل سے مرقوم ہے۔ رموز تصوف، معرفت آموز قصص و امثال و حکم کا گنجینہ سمجھی جاتی ہے۔ اہل تصوف اسے حرزِ جاں بنائے رکھتے ہیں اور جنھیں تصوف سے لگاؤ نہیں، وہ بھی غیر شعوری یا رسمی طور پر اس کی عظمت کے قائل ہیں۔[1] اس گنجینہ حکمت کا ہر دفتر عشق اور جدوجہد کے پیغام سے آراستہ ہے۔ تذکرہ نویسیوں نے یہ بات رقم کی ہے کہ چار کتابیں مثنوی مولانائے روم، شاہنامہ فردوسی، گلستان، دیوان حافظ شیرازی سب سے زیادہ مشہور ہوئیں، ان چار کتابوں کا اگر موازنہ کیا جائے تو مقبولیت کے لحاظ سے مثنوی مولانائے روم کو ترجیح دینی ہو گی کیونکہ علماء اور فضلا نے تعلیم اور تربیت یعنی کردار سازی کے لیئے مثنوی سے بہتر کسی کو نہ پایا۔[2] شاید اس لیے کہا گیا ہے کہ "نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب"[3] یعنی پیغمبر تو نہیں لیکن صاحب کتاب ضرور ہیں۔

مثنوی معنوی کی مقبولیت

عالمِ اِسلامی میں مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کو وہی منزلت حاصل ہے جو مسیحی یورپ میں مدتوں تک دانتے (Divina Comedia) کو حاصل رہی ہے۔ یہ دونوں شاعر تقریباً ہم عصر تھے اور دونوں میں درجہ کمال یہ قدرت موجود تھی کہ قاری یا

سامع کو تخصیص سے تعمیم کی طرف لے جائیں اور حیات انسانی کی تغیر پذیر ہیئتوں میں جو اُمور حقیقی و دائمی اہمیت رکھتے ہیں اُن کے مشاہدے کے لیے آنکھیں کھول دیں مگر نوعیت میں دونوں میں غیر مماثل ہیں۔ (4) مثنوی کا موضوع خدا کے وجود، کائنات، آخرت، حکمت، فلسفہ، اخلاقیات، فقہ اور شریعت پر مبنی ہے۔ مولانا رومی نے مثنوی میں وہ اسرار و رموز اور حقائق بیان کیے ہیں۔ قرآنی علوم اور معرفت خداوندی کے مسائل کو تشبیہوں اور تمثیلوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ برصغیر کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کی روحانی زندگی کی اصلاح و تربیت کا کام صوفیاء کے چھ روحانی سلسلوں یعنی چشتیہ، سہروردیہ قادریہ، نقشبندیہ، فردوسیہ اور شطاریہ نے انجام دیئے۔ لیکن ان چھ سلسلوں میں بھی چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور قادریہ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ ان صوفی بزرگوں کے تعلیمی انداز فکر میں تبدیلیاں مثنوی معنوی ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ ان بزرگوں کی خدمات میں ادبیت اور شعر و شاعری سے انس، ملائمت غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی رواداری، ان کی مقبولیت اور اشاعت میں بڑی مددگار ثابت ہوئی۔ اکبر کی بے راہ روی کو دیکھ کر مبلغین اور مصلحین عوام میں تیزی سے کردار سازی کا کام کرنے لگے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں 'مثنوی معنوی' کا سب سے زیادہ اثر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳۔ ۱۷۶۲ء) نے قبول کیا۔ آپ نے قرآن پاک حدیث اصول فقہ اجتہاد و تقلید اور تصوف کے متعلق اپنی سب سے مشہور کتاب "حجتہ اللہ البالغہ" میں تفصیل سے ان امور کا ذکر کیا ہے۔ مولانا سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید نے شاہ صاحب ہی کے ارشادات کو چراغ ہدایت بنائے رکھا۔ دوسرے لفظوں میں شاہ ولی اللہ کے پردے میں مثنوی اپنا کام کر رہی تھی۔ شاہ ولی اللہ نے اسلامی تعلیمات کو دنیا کے بنیادی واقعات اور اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جو مثنوی معنوی کا مقصد تھا۔ ان کے بعد ان کے شاگردوں میں شاہ رفیق شاہ محمد اسحاق، مفتی صدر الدین شاہ غلام علی، مفتی الٰہی بخش، مولانا فضل حق خیر آبادی، سید احمد بریلوی وغیرہ نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ برصغیر میں تعلیمات "مثنوی معنوی" کا پھیلاؤ بیسویں صدی میں سب سے زیادہ ہوا۔ اس کا سبب یہاں کے سیاسی اور سماجی حالات میں تبدیلی کرنے والے واقعات ہیں۔ بیسویں صدی میں مسلم قومی ریاستوں کے ظہور نے حیات اجتماعی کے دائرے میں مسلمان معاشروں کی تشکیل نو اور بالخصوص مذہب کے کردار کو اہل دانش اور علماء و صوفیاء کے ہاں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا ایک زندہ موضوع بنا دیا۔

مثنوی معنوی کی شرح نویسی کی روایت

ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے ساتھ مغلوں کی شان و شوکت میں بہت کچھ زوال آگیا اور علمی مجالس کی رونق کم ہونے لگی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک فارسی زبان کی اہمیت و افادیت کم ہونے لگی۔ اُردو جو فارسی کے اقتدار کے سامنے سرنگوں تھی، وہ نئے رنگ و روپ کے ساتھ اڑنے کے لیے پر پھیلانے لگی۔ عالمگیر کے عہد کے اختتام تک ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ اُردو فارسی کی جگہ لینے کی تیاری کر رہی ہو۔ (5) بارہویں صدی تک آتے آتے مطالعہ مثنوی کے ضمن میں پیدا شدہ ادبی اور صوفیانہ سرمائے کی زبان فارسی معلوم ہوتی ہے مگر اس دور میں بدلتے حالات کے پیش نظر مترجمین و شارحین نے اُردو زبان میں مثنوی کے ترجے اور شروحات کا آغاز کیا۔، تیرہویں صدی ہجری میں اس تحریک نے زیادہ زور پکڑا۔ اس سلسلہ میں مثنوی معنوی کی عمدہ عمدہ شروحات شائع ہوئیں اور مختلف علماء، صلحاء اور مترجمین نے اس کے منثور اور منظوم تراجم کئے، چنانچہ اُردو میں بھی مثنوی مولانا روم کے متعدد تراجم ہوئے۔ ان تراجم

کا باقاعدہ ریکارڈ کہیں محفوظ نہیں کیا گیا، کچھ تراجم کا ذکر خیر محض کتب میں کہیں کہیں درج ہو گیا۔ کچھ تراجم لائبریریوں میں اب بھی خستہ حالت میں موجود ہیں۔ بعض تراجم ایسے ہیں جن کا ذکر خیر محض مضامین میں پڑھنے کو مل جاتا ہے لیکن حقیقت میں مرور زمانہ اب وہ ناپید ہیں۔ ہندوستان میں مثنوی کی شرح نویسی کے سنہری دور کا آغاز عبد العلی محمد بن نظام الدین ملقب بہ بحر العلوم (م ۱۸۱۹ء) سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا عبد العلی بحر العلوم کو اسلامی ہندوستان کے آخری دور میں احیائے علوم عربیہ کی تحریک کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ ان کے والد ملا نظام الدین سہالوی نے درس نظام کی بنیاد رکھی۔[6] شیخ محمد اکرام نے علامہ بحر العلوم کے تعارف میں لکھا ہے: درس نظامی کے بانی ملا نظام الدین کے کئی بیٹے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت ملا عبد لعلی بحر العلوم لکھنوی نے پائی۔ وہ سترہ برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوا۔ کرناٹک کے رئیس نواب محمد علی خاں نے ان کی بڑی قدر کی۔ بحر العلوم کا خطاب دیا۔ درس کے لیے ایک بڑا مدرسہ تعمیر کیا، جہاں وہ اپنی وفات یعنی (۱۸۱۹ء) تک درس دیتے رہے۔ ان کی کئی تصانیف ہیں: ارکان اربعہ در اصول فقہ، شرح مثنوی مولانا روم[7] مولانا ملا بحر العلوم کا سب سے بڑا کارنامہ ”شرح مثنوی“ ہے۔ اس کا درجہ فارسی تصوف اور علم کلام میں بھی بہت بلند ہے۔ انھوں نے مثنوی کو علم کلام اور محی الدین ابن عربی کے متصوفانہ نقطۂ نظر سے پڑھا اور اس کی ایسی شرح لکھی جس میں فتوحات مکیہ کا پورا پورا رنگ منعکس ہے۔ اس لحاظ سے ان کی شرح معارف دین سے کہیں زیادہ، معارف طریقت کی کتاب بن گئی ہے اور یہی اس کی خصوصیت ہے۔ شرح بحر العلوم کی افادیت اور مقبولیت کے پیش نظر، برصغیر میں لکھی گئی اُردو شروح بھی اسلوب اور محتوا میں اس شرح سے بہت حد تک متاثر نظر آتی ہیں۔ چنانچہ کلید مثنوی از اشرف علی تھانوی اور مفتاح العلوم از مولانا نذیر عرشی جیسی ضخیم و طویل اُردو شروح میں مولانا بحر العلوم کی واضح اثر پذیری موجود ہے۔ ذیل میں ان شروحات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ بوستان معرفت از عبدالمجید خان بن عبدالرحیم خان پھپلی بیتی، سنہ تالیف ۱۸۹۲ء

یہ تصنیف مثنوی معنوی کی مکمل شرح ہے جو ۱۸۹۲ء میں مطبع نول کشور لکھنو سے شائع ہوئی۔ اس شرح کو مثنوی معنوی کی پہلی مکمل اُردو شرح کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تصنیف اپنے علمی اُسلوب کے پیش نظر خاص اہمیت رکھتی ہے۔ عبد المجید خان کے دور میں مثنوی کی فارسی شرحیں دستیاب تھیں اور دقیق و پیچیدہ عبارات کی وجہ سے ان کا فیض عام نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسے حالات میں موصوف بڑی عرق ریزی سے اُردو شرح لکھنے کا کام نبھایا۔ شرح لکھتے وقت آپ کا طریق کار یہ رہا ہے کہ پہلے مشکل الفاظ کے معانی دیے ہیں پھر لفظی ترجمہ دیا ہے۔ پھر اختلاف نسخ اور اختلاف شارحین کو درج کیا ہے۔ آخر میں آپ نے اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اس شرح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: عبد المجید انیسویں صدی کے آخری زمانے کے اہم علماء میں سے تھے۔ ان کا مطالعہ وسیع اور نظر گہری تھی۔ چناں چہ قصائد بدر چاچ، دیوان حافظ اور کئی دوسرے متنوں کی شرح میں انھوں نے نام پیدا کیا۔ لیکن ان کا سب سے اہم کارنامہ ہی شرح مثنوی (بوستان معرفت) ہے۔ اس میں ان کی زیادہ توجہ لغات مشکلہ کے حل پر صرف ہوئی یا پھر احادیث اور آیات قرآن کی نشاندہی پر منحصر ہے۔ زبان و بیان میں اگرچہ الجھاؤ نہیں بلکہ ان کا محاورہ قدامت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ جملوں کی ساخت میں عربی قواعد کی پابندی نظر آتی ہے۔ بہر حال بوستان معرفت کی اہمیت مسلمہ ہے۔ عبد المجید خان نے اپنی شرح سے اُردو شارحین کے لیے راستہ ہموار کیا ہے۔[8]

۲۔ کشف العلوم، شرح مثنوی مولانا روم از محمد ہدایت العلی لکھنوی، سنہ تالیف: ۱۸۹۴ء

کشف العلوم" ایک مکمل شرح ہے جو چھ جلدوں میں ہے۔ یہ شرح بہت جامع ہے اور اپنی قدامت کے باوجود بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا ترجمہ بہت مختصر مگر جامع اور متن کے مافیہ کا مکمل ترجمان نظر آتا ہے۔ 'کشف العلوم' بہت بسیط شرح ہے، اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 'مثنوی معنوی' کی اردو شرح 'بوستان معرفت' کے مصنف مولوی عبدالمجید خان بن عبدالرحیم خان نے بھی اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے اور نہ صرف اپنے مقدمہ میں بلکہ اپنی پوری شرح میں اس کے قصیدہ خواں نظر آتے ہیں۔

۳۔ رونمائے مثنوی از مولوی محمد اشرف علی تھانوی، سنہ تالیف: ۱۹۰۲ء

یہ تصنیف مثنوی کے دفتر اول کے منتخب اشعار کا ترجمہ اور تشریح پر مبنی ہے۔ یہ پہلی دفعہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۹۰۲ء میں چھپی۔

۴۔ کشف المکتوم، از محمد اسماعیل خان، سنہ تالیف: ۱۳۲۱-۲۳ھ / ۱۹۰۳-۱۹۰۵ء

یہ منتخب شرح محمد انتظار حسین مراد آبادی کے اہتمام سے مطبع عین الاخبار اور مطبع جیبسپر مراد آباد سے طبع ہوئی ہے اور چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

۵-ضیاء العلوم، ترجمہ و شرح مثنوی مولانا روم، از میاں محمد اسماعیل مسلم ہاشمی، سنہ تالیف: ندارد

تصنیف مثنوی کے دفتر اول کی شرح ہے۔ مترجم نے فارسی متن کو بھی شامل کیا ہے۔ اس پر سنہ تالیف درج نہیں ہے۔ یہ شرح ضیاء العلوم ایسٹرن بک سٹال لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

۶۔ رشد معنوی فی شرح مثنوی از سید محمد ہاشم بن اسماعیل سکندر آبادی، سنہ تالیف: ۱۹۱۲ء

شارح نے انتخاب مثنوی کی منظوم شرح تحریر کی ہے۔ یہ تصنیف ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں احمدیہ پریس، حیدر آباد دکن سے چھپی۔

۷۔ لب مثنوی از مولوی محمد اشرف علی تھانوی، سنہ تالیف: ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

یہ تصنیف دفتر ششم مثنوی کی شرح ہے جو ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء میں مطبع قاسمی دیوبند سے طبع ہوئی ہے۔

۸۔ کشف المفہوم۔ شرح اُردو مثنوی مولانا روم از محمد بشیر صدیقی فاضل علی پوری سنہ تالیف: ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء

یہ کتاب دفتر اول کے منتخب اشعار کی تشریح پر مشتمل ہے۔ جسے فاضل علی پوری نے نورالحق اور محمد حسین کی فرمائش پر قلم بند کیا ہے۔ اس شرح کا دیباچہ مولانا کے سوانح پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ مطبع خادم العلوم لاہور سے ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اس شرح کے متعدد بار اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۹۔ رومی مثنوی مولانائے روم کا مطالعہ ایک جدید زاویہ نگاہ سے از میر ولی اللہ ایڈووکیٹ ایبٹ آباد (م ۱۹۶۴ء) سنہ تالیف: ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

میر ولی اللہ ایبٹ آبادی نے مثنوی معنوی کے بعض حصوں کا انتخاب مع شرح کیا۔ یہ شرح دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کے سرورق پر لکھا ہے کہ کتاب فیروز پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام عبدالمجید خان مینجر چھپ کر دار الاشاعت بادہ ناب ایبٹ آباد سے شائع ہوئی ہے۔ میر ولی اللہ اس کتاب کی تحریر سے پہلے ۱۹۱۶ء میں کلام حافظ کی شرح 'لسان الغیب' لکھ کر شہرت حاصل کر چکے تھے۔ بعد ازاں ۱۹۲۳ء میں خیام کے بارے میں 'کاس الکرام' کے زیر عنوان ایک کتاب قلم بند کی۔ اس شرح کی پہلی جلد میں ابتدائی تین دفتروں کا انتخاب ہے۔ دوسری جلد باقی تین دفتروں کے انتخاب مشتمل ہے۔ پہلی جلد کی ابتدا میں آپ کا مقدمہ اور دوسری جلد کے آخر میں سوانح مولانا روم درج ہیں۔ دیباچے میں آپ نے تحریر کتاب کے محرکات کے سلسلے میں لکھا

ہے کہ اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مثنوی متفرقات فلسفہ و تصوف کا ایک غیر منظم مجموعہ نہیں ہے بلکہ سعی و عمل جد وجہد وجہاد اوران کے متعلقات وملحقات کی مسلسل تعلیم ہے۔ (9) ڈاکٹر وحید قریشی نے اس شرح کی افادیت کے بارے میں یہ الفاظ قلم بند کیے ہیں: مطالعہ رومی میں میر ولی اللہ نے اپنے زمانے کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔ رومی کی مثنوی کے وہ افکار جو زوال پذیر تمدن میں زیادہ مقبول تھے، انہیں نظر انداز کر کے ان اشعار کا انتخاب کیا جن میں عمل کا پیغام تھا۔ میر صاحب نے یہ احساس دلایا کہ ماضی کے سرمائے میں ایسے عناصر موجود ہیں جو ہمارے عہد کی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ (10)

۱۰۔ تعلیم الاحباب شرح مثنوی لب لباب از پیر عبد الرزاق شاہ سنہ تالیف: ۱۹۴۷ء

اس شرح کو پیر عبد الرزاق شاہ صاحب نے تحریر کیا ہے۔ یہ دفتر اول اور دفتر دوم کی تشریح ہے۔ اس شرح کو شارح کے مرید محمد یوسف قریشی نے شائع کیا ہے۔ موصوف نے دفتر اول کو ملتان سے طبع کیا جبکہ دفتر دوم کی اشاعت آفتاب عالم پریس لاہور سے عمل میں آئی۔

۱۱۔ بحر العلوم از فیروز الدین رازی، سنہ تالیف: ۱۳۷۴-۷۵/ ۱۹۵۵ء

یہ تصنیف مثنوی معنوی کے دفتر پنجم کا ترجمہ مع شرح ہے۔ یہ شرح ۱۹۵۵ء میں اورینٹل سوسائٹی لاہور سے چھپی۔

۱۲۔ مثنوی مولانا روم جدید آئینے میں از محمد سلیم الدین شمسی، سنہ تالیف: ۱۳۹۵/ ۱۹۷۵ء

یہ تصنیف مثنوی کے دفتر اول کے بعض منتخب اشعار کی شرح ہے۔ شارح نے فارسی متن کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ کتاب رومی پبلشنگ ہاؤس کراچی سے چھپی ہے۔

۱۳۔ صدائے نوی شرح مثنوی مولوی و (کذا) معنوی از ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی، سنہ تالیف ۱۳۹۶-۱۴۰۱ھ / ۱۹۷۶-۱۹۸۱ء

یہ تصنیف مثنوی معنوی کے دفتر اول کی مفصل شرح ہے۔ شارح نے اس شرح کو پانچ جلدوں میں تحریر کیا ہے۔ یہ تصنیف مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور سے ۱۳۹۶-۱۴۰۱ھ / ۱۹۷۶-۱۹۸۱ء کے عرصے میں چھپ کر سامنے آئی۔

مثنوی معنوی کی منتخب شرحوں کا سرسری مطالعہ

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی حکمت و عرفان کا بحر ذخار ہے۔ اس میں آپ نے اس زمانے کے علوم سمیٹے ہیں۔ ان کے ساتھ مذہبی واخلاقی اور صوفیانی نظام فکر کی بھی ترجمانی کی ہے۔ (11) کتاب کے اس حصے میں مثنوی معنوی کی چند منتخب شروح کا تجزیاتی مطالعہ پیش ہو گا۔

۱۔ کلید مثنوی از مولوی محمد اشرف علی تھانوی، سنہ تالیف: ۱۹۰۷-۱۹۱۲ء

مولانا اشرف علی تھانوی تھانوی سرزمین ہندوستان کے ان مایہ ناز فرزندوں میں سے ہے جن کو دینِ اسلام کی ات جلیلہ، اصلاح امت کی کاوشوں، تصوف و طریقت میں ان کی تجدد آرائیوں اور اسلام کے مسائل پر ہمہ گیر قلم فرسائی پر غزالی دوراں، مجتہد عصر، حکیم الامت جیسے القابات سے نوازا گیا۔ حضرت مولانا جامع الاوصاف شخصیت کے مالک تھے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کو مولانا تھانوی کا آفاق گیر قلم چھوڑ گیا ہو۔ (12) ان کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے مضامین و مقالات اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں آٹھ سو کے قریب ہے۔ (13) "کلید مثنوی" مثنوی معنوی کی مکمل، مفصل اور نہایت قابل قدر شرح ہے جسے حضرت اشرف علی نوی نے ۲۴ جلدوں میں تصنیف کیا۔ یہ شرح اپنے مندرجات کی بنیاد پر صوفیانہ اور عارفانہ شروح

میں شامل ہے۔کلید مثنوی کا مثنوی معنوی کی طویل ترین شروح میں شمار ہوتا ہے۔ اس شرح کی مقبولیت کے پیش نظر اس کے مختلف حصے وقتاً فوقتاً مختلف مطابع سے چھپتے رہے۔ شرح موصوف کی مکمل اور آخری اشاعت ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء میں ملتان کے ادارہ تالیفات اشرفیہ سے سامنے آئی۔ ناشر موصوف نے کلید مثنوی کے ۲۴ حصوں کو بارہ جلدوں کی صورت میں طبع کیا ہے۔ کلید مثنوی کے حوالے سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا تھانوی نے دفتر اول و ششم کی شرح خود ہی لکھی مگر ضعف ہمت اور کثرت مصروفیات کے پیش نظر دوسرے دفاتر کی شرح کے سلسلے میں یہ انداز اختیار کیا گیا کہ مولانا صاحب کے ملفوظات کو شبیر علی (ان کا بھتیجا) اور حبیب احمد کیرانوی نے تحریری شکل دیا۔ چنانچہ مولانا تھانوی نے دفتر دوم کے ابتدائی صفحات میں اس بات کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

ے	اول وسادس کلید مثنوی	
	چون نوشتم از فیوض مولوی	
	در دفاتر باقیہ ہمت ندید	
	لاجرم از شرح او تن در کشید	
	لیک از اصرار بعض احباب صدق	
	سہ بلند از فضل حق اصحاب صدق	
	طرز دیگر سھل کردم اختیار	
	کز زبان تقریر سازم درس وار	
	دیگران ضبطش کنند اندر قلم	
	بس ھمین سان شد شروع اندر رقم	
	آنچنانکہ مثنوی چون در بھشت	
	مولوی گفت و حسام الدین نوشت	
	ھمچنین این نقش پاک از نقش زشت	
	بندہ می گفتی و شبیرش نوشت	(14)

آپ نے ان اشعار کی توضیح میں لکھا ہے: حاصل ان اشعار تمہید یہ کا یہ ہے کہ جب بندہ کلید مثنوی دفتر اول و سادس کے لکھنے سے فارغ ہوا بقیہ دفاتر کی شرح کی ہمت اپنے اندر نہ پائی۔ بعض احباب صدق نے جب اس میں زیادہ اصرار کیا تو بندہ نے ایک صورت سے اس کا وعدہ کیا کہ مجھ سے کوئی صاحب پڑھ لیں اور میری تقریر منضبط کر لیں۔ چنانچہ بعد مشورہ اس کا انتظام اس طرح ہوا کہ میں بیان کرتا تھا اور برخوردار شبیر علی برادر زادہ بندہ بالالتزام اور مشفقم مولوی حبیب احمد کیرانوی بدون وعدہ التزام اس کو روزانہ لکھ لیتے تھے۔ چنانچہ دفتر ثانی، دفتر ثالث، نصف اول دفتر رابع اور ربع اول دفتر خامس کی شرحیں ان لوگوں کی محنت سے معرض وجود میں آئیں لیکن کچھ عرصے کے بعد درس کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ اس طرح دفتر اول و ششم کو چھوڑ کر دوسرے دفاتر میں یہ صورت نظر آتی ہے کہ عنوان شرح حبیبی قائم کر کے چند اشعار کے متعلق مولوی حبیب احمد کی شرح کو لکھا گیا ہے پھر شرح شبیری کا عنوان قائم کر کے ان ہی اشعار کے متعلق شبیر علی کے الفاظ درج کیے گئے ہیں۔ ان

عناوین کے پیشِ نظر، کلید مثنوی شرح شبیری اور شرح حبیبی کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اگر ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ایڈیشن میں دفتر دوم، چہارم، پنجم و ششم میں سے ہر ایک دو جلدوں پر مشتمل ہے جب کہ دفتر سوم کو تین جلدوں اور دفتر اول کو ایک جلد کی صورت میں طبع کیا گیا ہے۔ شرح شبیری اور جبیبی کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں شرحوں کے مضامین کم و بیش یکساں ہیں مگر چونکہ شبیر علی نے مولانا صاحب کے ملفوظات کو بالتزام لکھنے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے شرح شبیری، شرح جبیبی کے مقابلے میں زیادہ مفصل نظر آتی ہے۔ حبیب احمد نے شرح جبیبی میں پانچ چھ اشعار کے متعلق حضرت تھانوی کے ملفوظات کو روانی اور تسلسل کے ساتھ مرقوم کیا ہے۔ حالانکہ شرح شبیری میں شبیر علی نے ہر شعر کے ابتدائی الفاظ درج کر کے پھر اس سے متعلق توضیح و تفسیر درج کی ہے۔ شرح جبیبی اور شرح شبیری میں بھی مولانا تھانوی کے اسلوب شرح نویسی کی پیروی کی گئی ہے۔ چنانچہ کلید مثنوی کے ان حصوں میں بھی دفتر اول اور سادس کی طرح قرآنی آیات و تلمیحات، احادیث، لغوی اصطلاحات اختلاف نسخ اور دوسرے شعرا کے کلام کا اندراج نظر آتا ہے۔ شارح موصوف نے اپنے پیشِ نظر مثنوی کے بنیادی نسخے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے اور مثنوی کے ششگانہ دفاتر کے فارسی و عربی دیباچوں کی شرح بھی نہیں لکھی ہے۔ آپ نے دفتر اول اور ششم کی شروح میں کم و بیش یکساں طریق کار اختیار کیا ہے۔ ان شروح کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے قدرِ ضرورت پر اشعار کا ترجمہ سادہ اور سلیس زبان میں لکھا ہے اور جہاں لفظی اور مرادی ترجمے کی بدولت مفہوم کی مکمل ترسیل نہیں ہوئی ہے وہاں آپ نے قوسین کے اندر اضافی معلومات درج کر کے وضاحت طلب مقامات کی تشریح و توضیح کی ہے۔ مولانا تھانوی نے اگرچہ بہم الفاظ کے معانی، ترکیب نحوی اور مختلف فنون سے متعلق اصطلاحات کی تفسیر کا ہر جگہ التزام نہیں کیا ہے مگر بہت سے مقامات پر اجنبیت اور غرابت کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر ذرا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

	راین نفس جان دامنم بر تافتہ است	
	بوئے پیراہان یوسف یافتہ است	(15)

شرح

نفس بفتح فادم و ساعت۔ بر تافتن: دامن پکڑ لینا، بوئے پیراہان یوسف یافتن: کنایہ ہے مشتاق ہونے سے کیونکہ یعقوب علیہ السلام اس کی خوشبو سونگھ کر مشتاق وصال جمال یوسفی ہو گئے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس وقت میری جان نے میرا دامن پکڑ رکھا ہے اور تقاضا کر رہی ہے اور مشتاق ہو رہی ہے کہ اپنے مرشد کے انعام کا کچھ ذکر کرو۔ (16) اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شارح موصوف نے بڑے دوٹوک انداز میں اشعار کی شرح لکھی ہے اور حشو و زائد باتوں کے اندراج سے پرہیز کیا ہے۔ گویا انھوں نے جامعیت اور اختصار کا ساتھ ساتھ التزام کیا رکھا ہے۔ جیسا کہ جانتے ہیں مولانا تھانوی فقہ و فلسفہ اور تصوف کے جید عالم تھے مگر انھوں نے اپنے عالمانہ اور فاضلانہ پہلو کو شرح پر حاوی ہونے نہیں دیا ہے اور عام قارئین کی حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سادہ، سلیس اور عام فہم زبان اختیار کی ہے۔ اگرچہ کلید مثنوی، ایک صوفیانہ اور عارفانہ شرح ہے مگر چونکہ حضرت تھانوی کو فارسی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا اس لیے آپ نے اُردو دان طبقے کے ذوق و سلیقے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لسانی مسائل پر حاوی ہونے کی کوشش بھی کی ہے۔ رومی کے سہل ممتنع اُسلوب کے پیشِ نظر، اشعار کی شرح لکھتے وقت اکثر جگہ دفع اغلاط و شبہات اور مزید تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایسے مقامات پر شارح موصوف نے حرف ف (ف کا اشارہ فائدے سے

) لکھ کر موضوع کی مناسبت سے کسی آیت و حدیث یا اکابر کے اقوال واشعار کی بدولت ضروری باتوں کا اندراج کیا ہے۔ ساتھ ساتھ حاشیے پر بڑے سلیقے سے ان مضامین ضرور یہ کا مجمل عنوان تعبیری بھی رکھا ہے۔ ان تعبیری عنوانات کو یکجا کر کے اشعار مثنوی کی موضوعی فہرست بھی تیار کی جاسکتی ہے۔ ان اضافی معلومات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شارح موصوف میں صوفیانہ اور فلسفیانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ، ادبی ذوق بھی کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔

مثال کے طور پر مولانا تھانوی نے مندرجہ ذیل اشعار کے لیے حاشیے پر ان تعبیری عناوین کا انتخاب کیا ہے:

	در نیابد حال پختہ ھیچ خام	
	پس سخن کوتاہ باید والسلام	(17)

تعبیری عنوان: "منع اظہار اسرار

	ھر کہ راجامہ ز عشقی چاک شد	
	اوز حرص وعیب کلی پاک شد	(18)

تعبیری عنوان: اقسام علاج اخلاق ذمیمہ

حضرت مولانا تھانوی قرآنی علوم کے ماہر اور محقق تھے۔ آپ نے بڑی دیدہ ریزی سے اشعار سے متعلق قرآنی تلمیحات اور واقعات کی نشاندہی کی ہے۔ رومی نے قرآنی آیات کے علاوہ، اپنے خیالات کے اظہار کے لیے احادیث کا استعمال بھی کیا ہے۔ شارح موصوف نے شرح کے دوران، بڑے موشگافانہ انداز میں احادیث کا استخراج کر کے ان سے متعلق سود مند معلومات بھی درج کی ہیں۔

شروح مثنوی کے تجزیاتی مطالعے کے دوران، اہم سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ شارح نے مولانا کو تصوف کے کس نظریے کا ترجمان قرار دیا ہے۔ مثنوی میں بعض ایسے اشعار ہیں جن کو پڑھ کر رومی پر وجودی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

	جملہ معشوق ست وعاشق پردہ ای	
	زندہ معشوق ست وعاشق مردہ ای	(19)

شارح موصوف لکھتے ہیں:

ہر چند اوپر کے اشعار میں راز عشق کو کہ مسئلہ توحید وجودیہ ہے پوشیدہ کر گئے مگر وہ اختفائے عوام کے لیے تھا جو اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے اور گمراہی وضلالت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس شعر میں خواص کے لیے قدرے اس راز کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ سو یہ احقر اس کو لائق فہم عوام کے بیان کرتا ہے۔ مصرعہ اول میں اس مسئلے کا دعویٰ ہے مصرعہ ثانی میں اس کی تفسیر ہے۔ پس" جملہ معشوقست"، "ہم معنی ہمہ"، "اوست" کا ہے جو اس مسئلے کا مشہور عنوان ہے۔ عاشق سے مراد کل ممکنات کہ مسخر قدرت خداوندی ہیں۔ پردہ سے مراد موجود ظاہری جو حجاب اور ساتر ہے۔ موجود حقیقی کا تشبیہاً اس کو پردہ کہہ دیا کہ وہ بھی ساتر ہوتا ہے اور خود ظاہر نظر آتا ہے اور پردہ دار نظر نہیں آتا۔ پس پردہ کے معنی موجود ظاہری ہوئے۔ خلاصہ دعوی کا یہ ہوا کہ ممکنات تو صرف موجود ظاہری ہیں اور حقیقت میں کوئی موجود حقیقی یعنی موصوف بکمال ہستی نہیں بجز ذات حق کے، اسی مضمون کو ہمہ اوست سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ یہ ایک جملہ ہے مطابق محاورات روزمرہ کے۔ جس طرح کوئی حاکم کسی فریاد خواہ سے کہے کہ تم نے پولیس میں رپٹ لکھوائی؟ تم نے کسی وکیل سے بھی مشورہ کیا؟ اور وہ عرض کرے کہ جناب پولیس اور وکیل سب آپ ہی

ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوتا کہ حاکم اور پولیس اور وکیل سب ایک ہی ہیں اور ان میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور وکیل کوئی چیز قابل شمار نہیں، آپ ہی صاحب اختیار ہیں اسی طرح یہاں سمجھ لینا چاہیے کہ ہمہ اوست کے یہ معنی نہیں کہ ہمہ اور او، ایک ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابل اعتبار نہیں صرف (او) کی ہستی لائق شمار ہے اور باقی جتنے موجودات ہیں ہستی تو ان کی بھی واقعی ہے مگر ان کی ہستی، ہستی کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے۔ حضرت اشرف علی تھانوی نے اس شعر کے مفہوم کو زیادہ قابل فہم بنانے کے لیے مزید مثالیں مرقوم کی ہیں۔ پھر شیخ سعدی کا یہ شعر درج کر کے لکھا ہے:

	یکی قطرہ از ابر نیسان چکید	
	خجل شد چو پھنای دریا بدید	
	کہ جایی کہ دریاست من کیستم	
	اگر او هست حقا کہ من نیستم	
	همہ هرچہ هستند از آن کمترند	
	کہ با ہستی اش نام ہستی برند	(20)

شیخ نے تصریح کر دی کہ ہست تو سب ہیں مگر ان کی ہستی ہستی حق کے سامنے ہستی کہنے کے قابل نہیں۔ مولانا نے اس مصرعہ میں اس تفسیر کو ایک مثال میں بیان کیا ہے کہ حضرت حق کو مثل زندہ کے سمجھو اور ممکن کو مثل مردہ کے۔ کہ گو نعش مردہ بھی کسی درجے کا وجود رکھتا ہے۔ آخر جسم تو ہے مگر زندہ کے روبرو اس کی ہستی قابل اعتبار نہیں کیونکہ مردے کی ہستی ناقص ہے اور زندے کی ہستی کامل۔ کامل کے سامنے ناقص بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہے۔[21] مولانا تھانوی نے شرح زیر مطالعہ میں اشعار رومی کی صوفیانہ تعبیر پیش کی ہے۔ اگرچہ یہ شرح خالصتاً صوفیانہ شرح شمار کی جاتی ہے مگر شارح موصوف نے اُردو دان طبقے کے ذوق اور تقاضے کے مطابق وضاحت طلب مقامات کے حوالے سے سودمند تاریخی، لسانی، قرآنی اور فقہی معلومات بھی درج کی ہیں۔ حضرت مولانا تھانوی تصوف، قرآنی اور فقہی علوم کے ماہر اور محقق تھے۔ آپ نے شرح نویسی کے دوران محققانہ انداز اختیار کیا ہے اور آپ کا کمال یہ ہے کہ اپنی صوفیانہ اور عالمانہ حیثیت کو شرح پر حاوی ہونے نہیں دیا اور پوری شرح میں سادگی اور سلاست کا التزام کیا رکھا ہے۔ شرح شبیری اور شرح حبیبی میں بھی حضرت تھانوی کے انداز شرح نویسی کی پیروی کی گئی ہے جس کے نتیجے میں کلید مثنوی کے مختلف حصے آپس میں مربوط اور متصل نظر آتے ہیں۔ مثنوی معنوی کی اُردو شروح میں کلید مثنوی کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ قابل قدر شرح بعد کے شارحین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئی اور بہت سے شارح حضرات نے اس کتاب سے استفادے کا اعتراف کیا ہے۔ اس شرح کا انگریزی ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

۲۔ مفتاح العلوم از محمد نذیر عرشی نقشبندی مجددی

مفتاح العلوم مثنوی معنوی کا مکمل ترجمہ اور شرح ہے۔ مثنوی معنوی کی یہ جامع اور مفصل شرح سترہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ مرزا محمد نذیر عرشی نقشبندی مجددی دھنولوی ایک فاضل عالم، ماہر طبیب اور نامور مصنف، ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کا نام محمد نذیر تخلص عرشی، مسلک حنفی اور باطنی نسبت نقشبندی مجددی ہے۔[22] مولانا نذیر عرشی کثیر التصانیف واقع ہوئے ہیں۔ مولانا عرشی نے مثنوی معنوی کی اُردو شرح "مفتاح العلوم" کے علاوہ، اس عظیم کتاب کے لئے فارسی شرح کا بھی

اہتمام کیا ہے۔ مثنوی مولوی معنوی مع حواشی مسمی بہ رحیق مختوم دفتر اول مثنوی کی فارسی شرح ہے۔ اس تصنیف میں شارح نے مثنوی معنوی کے معتبر نسخوں کے باہمی موازنے سے دفتر اول کا صحیح متن فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ساتھ وضاحت طلب مقامات کے حوالے سے حاشیے میں معلومات درج کی ہیں۔ مولانا نذیر عرشی نے اس شرح کو ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء میں رفیق عام سٹیم لاہور سے شائع کروایا۔ مولانا محمد نذیر المتخلص بہ عرشی نے فارسی زبان میں ایک طبع زاد مثنوی سے اپنی شرح کی ابتدا کی ہے۔

ذرا یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

	بشنوای دل گر ترا گوش صفاست	
	عالمی راساز حمد ش پر نواست	
	گر فتادت رمز ان من شئ بگوش	
	آید از ہر شے صدا ے نے بگوش	
	ھرچہ بینی از طیور واز وحوش	
	جملہ با لحن ثنایش در خروش	
	ہر رگ سنگ ست تار ارغنون	
	عرفان رادل زصوش گشتہ خون	([23])

۲۳ مولانا محمد نذیر نے مدحیہ اور نعتیہ اشعار کے بعد، شرح کے محرکات کے بارے میں چند اشعار درج کیے ہیں:

	داد تکلیفم رفیقی معنوی	
	از پے شرح کتاب مثنوی	
	گفتم این کار است بس دشوار تر	
	راہ پر پیچ است وناھموار تر	
	کاملان مرکب در این رہ راندہ اند	
	دور از منزل زنگ در ماندہ اند	
	من کہ باشم دم از این چالش زنم	
	ھمقران کاملان بالش زنم	[24]()

بعد کے اشعار میں وہ لکھتے ہیں کہ جب اس دوست نے اپنا اصرار جاری رکھا تو ناچار مجھے شرح کی تحریر کے لیے قلم اٹھانا پڑا اور انھوں نے ایک پیر کامل سے راہنمائی لے کر لکھنے کا آغاز کیا۔ مفتاح العلوم کی چھٹی جلد کے خاتمے میں شارح نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس شرح کی تکمیل کے لیے بعض وقفوں سمیت کل چودہ سال کی مدت صرف ہوئی۔([25]) شارح کے طریق کار کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے مثنوی کے ششگانہ دفاتر کے عربی اور نثری دیباچوں کی بھی شرح لکھی ہے۔ دفتر اول کے منثور دیباچے میں مولانا کا مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے جو شبلی نعمانی کی تالیف "سوانح مولانا روم" سے ماخوذ ہے۔

مولانا نذیر عرشی نے ہر جلد میں موجود مختلف حصوں کے لیے جداگانہ فہارس کا اہتمام کیا ہے لیکن ان کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ فہرستیں مندرجات مثنوی کی بنیاد پر مرتب نہیں ہوئی ہیں بلکہ اس حصے میں موجود موضوعات اور مضامین کی بنا پر تیار کی گئی ہیں۔ فہرستیں مندرجہ ذیل موضوعات میں منقسم ہیں:

۱۔ تصوف اور سلوک ۲۔ عقائد ۳۔ مسائل فقہ ۴۔ تراجم اور سیر

۵۔ روایات، تشریحات و تحقیقات ۶۔ مذاہب باطلہ ۷۔ اخلاق ۸۔ تشریح آیات اور تفسیر آیات

اگرچہ مطالعہ مثنوی کے دوران اس طرح کی موضوعی فہرستیں زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں مگر راقم کو اشعار کی تلاش میں مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مفتاح العلوم کو اس کی مندرجات کی بنیاد پر نصابی اور صوفیانہ شروح کے زمرے میں قرار دینا چاہیے۔ گویا مولانا نذیر عرشی نے اس ضخیم شرح کو درسی ضرورتوں کی بنیاد پر تصنیف کیا ہے۔ ساتھ ساتھ بڑی سادہ اور عام فہم زبان میں مثنوی کے صوفیانہ اور عارفانہ مضامین کی تشریح و توضیح کی ہے۔

۳۔ "مشرح و منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم مع حقیقی معنی بزبان اُردو" از عبداللہ خان عسکری

یہ تصنیف مثنوی معنوی کے دفتر اول کا منتخب منظوم ترجمہ مع شرح ہے۔ عبداللہ خان عسکری اردو ادب کے فعال مترجم اور ادیب گزرے ہیں۔ انھوں نے طبابت کے ساتھ ساتھ، ادبی سرگرمیوں میں بھی بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا ہے۔ مثنوی معنوی کی شرح کے ساتھ ساتھ، دیوان حافظ کی بھی شرح ان سے یادگار ہے۔ ان شروح اور منظوم تراجم کی کثرت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ خاں عسکری اردو شاعری کے میدان میں مہارت رکھتے تھے اور انھیں فارسی زبان کے اسرار و رموز پر بھی مکمل دسترس تھی۔ عبداللہ خاں عسکری کی یہ مختصر شرح ۹۶ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس تصنیف میں نے نامہ اور داستان بادشاہ و کنیزک کے اشعار کی شرح شامل ہے۔ شارح نے اپنے زیر نظر بنیادی نسخے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ مگر فارسی اشعار کو اپنے متن میں جگہ دی ہے اور ہر شعر کے نیچے اس کی تعبیر و تشریح درج کی ہے۔ انھوں نے نے نامہ کے اشعار کی شرح لکھنے کے بعد، مثنوی کے ابتدائی اشعار کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ مولانا نے بادشاہ و کنیزک کی حکایت کے لیے آٹھ عنوانات قائم کیے ہیں۔ شارح موصوف نے ان عناوین کو برقرار رکھا ہے اور ہر عنوان سے متعلق اشعار کی تشریح کے بعد، ان کا شعری ترجمہ درج کیا ہے۔ مولانا نے مثنوی معنوی کے لیے حرمل مسدس محذوف و مقصور کا انتخاب کیا تھا۔ عبداللہ خاں عسکری نے منظوم ترجمے میں بحر رمل مثمن محذوف و مقصور کو اختیار کیا ہے۔ ۹ عبداللہ خاں عسکری نے ہر شعر کی توضیح و تشریح تین عناوین یعنی لفظی ترجمہ حل نکات و شرح اور حقیقی معنی کے تحت کی ہے۔ شارح نے لفظی ترجمے میں ہر مصرع کا تحت اللفظ ترجمہ درج کیا ہے۔ لفظی ترجمہ کرتے ہوئے انھوں نے مولانا کے الفاظ کی ترتیب کے مطابق اردو میں منتقل کیا ہے۔ ساتھ ساتھ وضاحت طلب الفاظ پر نمبر لگا کر شرح و حل نکات میں نمبر داران الفاظ کی توضیح و تشریح کی ہے۔ انھوں نے حقیقی معنی کے زیر عنوان شعر کا مرادی مفہوم واضح کیا ہے۔ ان خصوصیات کی بنیاد پر شرح زیر تنقید کو نصابی شروح کے گروہ میں شامل قرار دے سکتے ہیں۔ عبداللہ خاں عسکری کے اسلوب شرح نویسی پر روشنی ڈالنے کے لیے چند اشعار مثال کے طور پر درج کیے جا رہے ہیں:

	نے حدیث راہ (۱) پر خون می کند	ے
(26)	قصہ ھای عشق (۲) مجنون می کند	

لفظی ترجمہ: بانسری خون سے بھرے ہوئے راستے کی باتیں کرتی ہے، کہانیاں مجنوں کے عشق کی کر رہی ہے۔

حل و نکات و شرح: (۱) راہ پر خون بمعنی خون سے بھرا ہوا راستہ مراد ہے راہ عشق سے عشق مجنون۔

(۲) قیس عامری کا نام مجنون ہے، جو لیلیٰ کا عاشق صادق تھا۔ کنایہ ہے عاشقان صادق ہے۔

حقیقی معنی: مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ روح راہ عشق حقیقت کی خونی داستانیں بتاتی ہیں اور عاشقانِ کامل وصادق کے قصوں سے آگاہی دے رہی ہے یعنی روح بذات خود مجسم عاشق کامل، عشق حقیقت کی ہے اور ہر وقت درد فراق میں تڑپتی رہتی ہے۔[27]

اصل متن اور ترجمے کے تقابلی موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح نے سادہ اور عام فہم انداز میں شرح لکھنے کی سعی کی ہے۔ انھوں نے لفظی ترجمہ کرتے ہوئے سوفی صد متن کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا ہے۔ اس طریق کار کی خوبی یہ ہے کہ اردو قارئین مطالعہ کرتے وقت فارسی الفاظ کے متبادل اردو الفاظ کو معلوم کر سکتے ہیں، مگر چونکہ الفاظ کی نشستیں اردو زبان کی بجائے، فارسی مصرع کے مطابق ہیں تو اس کے پیشِ نظر سمجھنے میں تھوڑی بہت وقت پیش آسکتی ہے۔ شارح نے اردو قارئین کے لیے نامانوس فارسی الفاظ کا مفہوم درج کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی ذوقی تسکین کے لیے شرح نہیں لکھی بلکہ اردو دان طبقے کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر شرح نگاری کی ہے۔ جیسا کہ دیکھتے ہیں شارح نے معنی حقیقی کے زیر عنوان صوفیانہ اور عارفانہ حقایق کی روشنی میں شعر کا مفہوم لکھا ہے۔ شرح پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شارح نے اشعار کی شرح آزاد ذہن کے ساتھ نہیں لکھی ہے بلکہ انھوں نے پہلے سے طے شدہ عقائد کے تحت شرح پر قلم اٹھایا ہے۔ بالفاظ دیگر شارح کسی صوفیانہ مسلک سے منسلک معلوم ہوتے ہیں اور انھوں نے اپنے ذہن کی مناسبت سے مخصوص دائرے میں رہتے ہوئے تعبیر و تشریح کی کاوش کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے "پادشاہ و کنیزک" کی حکایت میں بادشاہ کو انسان، کنیزک کو دنیاوی مصنوعات اور حکیم الٰہی کو حضور ﷺ سمجھ کر شرح نگاری کی ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ب	بود شاہی (۱) در زمانی (۲) پیش از این		
	ملک دنیا (۳) بودش و هم مالک دین (۴)		[28]

لفظی ترجمہ: تھا ایک بادشاہ بیچ پہلے زمانے کے اس سے، دنیا کا بادشاہ تھا وہ اور دین کا بھی۔

حل نکات و شرح (۱) شاہ بمعنی بادشاہ۔ کنایہ ہے حضرت انسان سے۔

(۲) زمانی پیش از این یعنی اس سے پیشتر کا زمانہ۔ کنایہ ہے۔ حضرت رسول مقبول ﷺ کے زمانے سے پیشتر کے زمانے سے۔

(۳) ملک دنیا۔ یعنی دنیا کا بادشاہ۔ کنایہ ہے حضرت انسان سے۔ جس کی ضرورت کے لیے سارے جہان کی کائنات پیدا کی گئی ہے۔ (اس کی پوری وضاحت سمجھنے کے لیے میری کتاب پیام قدرت "کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

(۴) ملک دین یعنی دین کا بادشاہ۔ مراد ہے تابع احکام خداوندی سے۔

حقیقی معنی: مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے پہلے چونکہ حضرت انسان موجود تھے اور یہ کسی ایک فرد واحد سے مراد نہیں ہے بلکہ ہر ایک انسان سے مراد ہے۔ یہی انسان اس وقت بھی کل موجودات کا بادشاہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ اس کے علاوہ وہ تابع احکام خداوندی بھی تھا جیسا کہ اب بھی ہے۔[29] اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شارح نے مخصوص زاویہ نظر سے شرح نگاری کی ہے اور شروع سے لے کر آخر تک فلسفیانہ انداز میں اس حکایت کی وضاحت کی ہے۔ اگر چہ یہ اسلوب مثنوی معنوی کی شرح نگاری کے مروجہ اصولوں سے ہٹ کر ایک نیا طریق کار معلوم ہو رہا ہے تاہم راقمہ کے

خیال میں یہ قیاس درست نہیں کہ مولانا کا ہر شعر لازماً فکر و فلسفہ پر مبنی ہے۔ مولانا نے اپنا مقصود بیان کرنے کے لیے قصہ کہانیوں کا پیمانہ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مثنوی میں عرفانی نوعیت کے اشعار کے ساتھ ساتھ عمومی دوچھی کی حامل اخلاق آموز حکامات بھی شامل ہیں۔

۴۔ معارف مثنوی از مولانا حکیم محمد اختر

مولانا شاہ محمد اختر، ناظم آباد کراچی کے رہنے والے اور مولانا ابرار الحق اور مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری کے خلیفہ ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شرح کی اشاعت کے دوران، شارح کی دوسری تصنیف اقتباس دیوان شمس تبریز مع ترجمہ و تشریح بھی زیر طباعت رہی ہے۔ معارف مثنوی از مولانا حکیم محمد اختر مجلس اشاعۃ الحق کراچی سے طبع ہوئی۔ یہ کتاب مثنوی معنوی کی جزوی شرح ہے اور ۷۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی کے مطابق یہ شرح ۱۹۷۶ء کے بعد کی تصنیف ہوگی۔[30] بعض علما کی رائے کے خاتمے میں ۱۹۷۲ء کی تاریخ درج کی گئی ہے۔[31] کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شرح کی اشاعت کے دوران، شارح کی دوسری تصنیف اقتباس دیوان شمس تبریز مع ترجمہ و تشریح بھی زیر طباعت رہی ہے۔ مولانا محمد اختر نے "مقدمتہ الکتاب" میں تصنیف شرح کے محرکات کے بارے میں لکھا ہے: "ہمارے حضرت پھولپوری بعد نماز عصر اکثر مثنوی شریف کا درس دیتے اور اس انداز سے کہ روح میں زلزلہ پیدا ہو جاتا۔۔۔ گاہ گاہ احقر کچھ منتخب اشعار مثنوی شریف سے جب حضرت پھولپوری کو سنایا کرتا اور ان کی وہ شرح عرض کرتا جو حق تعالیٰ خاص طور پر احقر کو عطا فرماتے تو حضرت والا بہت مسرور ہوتے اور احقر کی دردناک شرح سن کر آبدیدہ ہو جاتے۔۔۔ مثنوی شریف کے ساتھ اس قلبی و روحانی شغف و تعلق سے احقر کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ حق تعالیٰ مثنوی شریف کے علوم و معارف، احقر کے قلم سے اس عشق ناک اور درد ناک انداز سے تالیف کرا دیں جو ناظرین کے سینوں میں حق تعالیٰ شانہ کی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاوے۔"[32] مولانا محمد اختر نے اس مقدمے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ معارف مثنوی کی نگارش میں کلید مثنوی "مرآۃ المثنوی" اور "مغز نغز" سے بھی استمداد کیا گیا ہے۔ اس شرح کے تعارفی حصے میں مختصر سوانح مولانا روم شامل کیے گئے ہیں۔ اس تعارفی حصے کے بعد، شارح نے حضرت مولانا روم اور ان کے پیر شمس تبریزی کا شعری پیرائے میں تعارف کروایا ہے۔ اس مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

۔	قصہ مولانائے رومی کا سنو	
	درس دیتے تھے کبھی یہ دوستو	
	بے خبر از حالِ ملکِ نیم شب	
	علمِ ظاہر سے شغف تھا روز و شب	[33]

معارف مثنوی کے صفحات جابجا شارح کے فارسی اور اُردو اشعار سے مزین کیے گئے ہیں جس سے شاعری کے میدان میں ان کی قادر الکلامی کا سراغ ملتا ہے۔ مولانا محمد اختر نے معارف مثنوی کی تصنیف میں خاص ترتیب اور اقتباس کو ملحوظ رکھا ہے۔ اپنی شرح کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: حصہ اول: حکایات مثنوی، حصہ دوم: منظومات مثنوی، حصہ سوم: مناجات مثنوی اور آخر میں مثنوی اختر کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ شرح اپنے مندرجات اور اسلوب بیان کی بنیاد پر صوفیانہ شروح کے زمرے میں شامل ہے۔ شارح نے حصہ اوّل (حکایات مثنوی) میں زیادہ تر شخصیات سے متعلق حکایات اور مثنوی کے قصوں کی تشریح کی ہے۔

مثال کے طور پر اس حصے میں "قصہ محمود غزنوی"، "حکایت سلطان ابراہیم ادھم"، "حکایت حضرت بلال"، "حکایت طوطی و بقال"، "حکایت دباغ اور اس کا علاج"۔۔۔ جیسے عناوین شامل ہیں۔ حصہ دوم (منظومات مثنوی) میں صوفیانہ اصطلاحات اور موضوعات سے متعلق مثنوی کے اشعار کو یکجا کر کے ان کی تعبیر و تشریح کی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر اس حصے میں مثنوی معنوی کا موضوعی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس حصے کی فہرست میں معجزہ، تقدیر، جبر و اختیار، فنا و بقا، رضا بالقضاء جیسے عناوین نظر آتے ہیں۔ حصہ سوم (مناجات مثنوی) میں مولانا کے ان اشعار کی شرح درج کی گئی ہے جن میں وہ اللہ تعالی سے مخاطب ہو کر اس سے گفتگو کرتے ہیں۔ اس حصے میں فارسی اشعار کے ساتھ ساتھ عربی اشعار بھی شامل ہیں۔ شارح نے اس حصے میں یہ جدت پیدا کی ہے کہ چنیدہ اشعار کو یکجا کر کے ہفتے کے ہر دن کے لیے ایک مناجات کا اہتمام کیا ہے اور ان اشعار کو "منزل اول روز شنبہ"، "منزل دوم یک شنبہ"، "منزل سوم روز دو شنبہ و۔۔۔ جیسے عناوین سے موسوم کیا ہے۔ ان حصوں کے بعد مثنوی اختر مع ترجمہ درج ہے۔ اس حصے میں مولانا شاہ اختر نے مثنوی کی بحر کا التزام کرتے ہوئے مختلف موضوعات پر اپنے فارسی اشعار کو مع ترجمہ شامل کیا ہے۔ ان کی مختصر مثنویات "مذمت حسد"، "مذمت غضب توبہ واستغفار، "عشق حقیقی و۔۔۔ جیسے عناوین سے مزین ہیں۔ مولانا محمد اختر نے سادہ اور قابل فہم زبان میں اشعار کی تعبیر و تشریح پیش کی ہے اور عام فہم انداز اپنا کر دقیق صوفیانہ مسائل کو بیان کیا ہے۔ ان کے اسلوب شرح نویسی پر روشنی ڈالنے کے لیے ہم حکایت حضرت سلطان شاہ ابراہیم ادھم کا تنقیدی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ (34) مولانا نے دفتر دوم اور دفتر چہارم میں سلطان ابراہیم کا تذکرہ کیا ہے۔ ابراہیم ادھم سرزمین بلیغ کے حاکم تھے، وہ قلبی واردات کے نتیجے میں کائنات کی لذتوں سے بیزار ہو گئے اور سلطنت چھوڑ کر دس برس تک غار نیشاپور میں مشغول عبادت ہوئے۔ یہ کہانی تذکرۃ الاولیاء عطار سے ماخوذ ہے۔ مولانا اختر نے حکایت کے تمام اشعار کو متن میں شامل نہیں کیا ہے اور کبھی کبھی محض ایک مصرع کے اندراج پر بھی اکتفا کیا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شارح نے ابراہیم ادھم سے متعلق بعض اشعار کو متن میں شامل کر کے ان کی تشریح و تعبیر کی ہے۔ ساتھ ساتھ اپنی بات کی توضیح کے لیے قرآنی آیات اور احادیث کا استعمال کیا ہے۔ اس حکایت کا مرکزی خیال یہ ہے کہ عشق کی حقیقی یاد عاشق کو تمام دنیوی لذتوں سے بے نیاز کرتی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شارح سو طریقوں سے اس حکایت کے بنیادی خیال کو شائقین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ کبھی فارسی اور اردو شعرا کے اشعار سے مدد لیتے ہیں۔ کبھی آیات و احادیث کا اقتباس درج کرتے ہیں اور بعض مقامات پر حکایت کو اردو کے شعری پیرائے میں ڈھالتے ہیں، جس سے قارئین کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ مولانا حکیم اختر نے اکثر حکایات کے لیے فائدہ کے زیر عنوان نتیجے کا اہتمام بھی کیا ہے اور اس عنوان کے تحت حکایت کا نچوڑ بڑے دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ اس شرح کے حوالے سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اگرچہ شارح کا دنیائے تصوف سے مضبوط رشتہ رہا ہے، تاہم شرح کرتے ہوئے ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے بڑی سادگی اور روانی سے رموز و نکات کی تبیین کی ہے۔ شرح کے دوسرے حصے (منظومات مثنوی) میں شارح نے مختلف صوفیانہ اور عارفانہ مضامین کے حوالے سے تمام دفاتر کے اشعار کو یکجا کیا ہے۔ اس اسلوب کی بدولت مثنوی کا موضوعی مطالعہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس حصے کی ترتیب میں مرآۃ المعنوی سے متاثر رہے ہیں۔ شارح نے "منظومات مثنوی" کے آغاز میں "حمد باری تعالی"، "نعت رسول اکرم" اور "منقبت اصحاب" سے متعلق چند اشعار کی شرح پیش کی ہے۔ بعد ازاں انھوں نے

"افتتاحیہ" کے زیر عنوان "نے نامہ" کے اشعار کی وضاحت درج کی ہے۔ (35) اس حصے میں بھی، انھوں نے سلاست اور سادگی کا دامن ہاتھ سے چھٹنے نہیں دیا ہے اور بڑے دل کش انداز میں تشریح و توضیح کی کاوش سرانجام دی ہے۔
مولانا حکیم اختر نے شرح کے تیسرے حصے (مناجات مثنوی) میں، دعائیہ انداز کے اشعار کو منتخب کر کے ہر دن کے لیے مخصوص مناجات کا اہتمام کیا ہے۔ ساتھ ساتھ ان اشعار کی تشریح تعبیر بھی کی گئی ہے۔ منزل چہارم روز سہ شنبہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ے	از ہمہ نومید گشتیم اے خدا	
	اول و آخر توئی و منتہا	
	کردگارا منگر اندر فعلِ ما	
	دستِ ما ن گیر اے شہِ ہر دو سرا	(36)

مناجات مثنوی کے بعد مثنوی اختر مع ترجمہ و شرح درج کی گئی ہے۔ یہ حصہ مولانا محمد اختر کی فارسی مثنویوں کا مجموعہ ہے جو اخلاق، عرفان اور تصوف جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ اشعار کے اندراج کے بعد ان کا مختصر ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ ذرا ان کا نمونہ کلام دیکھیے:

دربیان مذمت حسد

ے	حاسدان را در تقرب راہ نیست	
	زانکہ نیکی با حسد ہمراہ نیست	
	مصطفیٰ فرمودہ نیکی را حسد	
	ہم چو آتش چوب ہا رامی خورد	(37)

پھر ان اشعار کی مختصر شرح بھی درج کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شرح اپنے منفرد اسلوب نگارش اور مخصوص ترتیب کی بدولت دوسری شروح سے مختلف لگی۔ شارح نے مطالب کی ترتیب و تبویب میں قاضی تلمذ حسین کی "مرآۃ المثنوی" کو پیش نظر رکھا ہے اور صوفیانہ مسائل اور اصطلاحات کی تشریح میں مولانا اشرف علی تھانوی کی "کلید مثنوی" سے متاثر نظر آتے ہیں۔ سادگی، سلاست اور روانی اس شرح کا طرہ امتیاز ہے۔ اگرچہ شارح دنیائے تصوف سے منسلک رہے ہیں مگر اس صوفیانہ تعلق کو رکاوٹ نہیں بننے دیا ہے۔ وہ فارسی اور اردو زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ ان کے اشعار اپنی عمدگی، پاکیزگی اور شگفتگی کے پیش نظر قابل داد ہیں۔ معارف مثنوی اپنی لسانی خصوصیات اور لوب نگارش کی بنیاد پر تصوف کی ایک دلچسپ کتاب معلوم ہوتی ہے۔

خلاصۂ بحث

عالم اسلام کی عظیم روحانی شخصیت، رجحان ساز مفکر اور بے مثال شاعر ہیں۔ مولانا روم ایک عالی مرتبہ عالم دین اور صوفی باصفا تھے۔ جہاں انہوں نے تصوف کے اسرار درموز اور تعلیمات سے جہاں بہرہ ور اور آگاہ تھے۔ وہاں گہری وابستگی کے ساتھ اپنے عبودیت اور روحانی فضیلت نے انہیں عہد رفتہ کے صوفیائے کرام کی خصوصیات کا مجموعہ بنادیا ہے۔ تصوف کو صحیح معنوں میں انہوں نے اپنا اُوڑھنا بچھونا بنایا تھا۔ اُنھوں نے سلسلہ تصوف اور منزل سلوک کی راہ میں اپنے افکار سے ایسا چراغ روشن کیا ہے۔

جس کی ضیا پاشیوں سے کامل و ناقص، عاقل و جاہل، شاہ و گدا، خورد و کلان، پیر و جواں اور مرد و زن سبھی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق فیض یاب ہوئے ہیں۔ (38) علمائے ہند نے اس پیغام کو اُردو تراجم اور شروحات کی صورت میں عام عوام کے لیے قابل تفہیم بنا دیا ہے۔

حوالاجات

1۔ محمد اکرام چغتائی، مولانا جلال الدین رومیؒ حیات وافکار، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء) ۵۱۳۔
2۔ جلال الدین رومی، مولانا، مثنوی مولوی، مترجم: قاضی سجاد حسین، (لاہور: حامد اینڈ کمپنی، اُردو بازار، ۱۹۷۴ء)، ۱۰۔
3۔ محمد قبال، ارمغان حجاز، (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء)، ۷۰۵۔
4۔ قاضی تلمذ حسین، صاحب مثنوی، اِسلام اور عصر جدید (سہ ماہی) جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر، جلد نمبر ۳۹، شمارہ نمبر ۳۔۴، ۲۰۰۷، ص:۴
5۔ محمد عطاللہ خان، ڈاکٹر، اُردو اور فارسی کے روابط، (کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۹ء)، ۶۸۔
6۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، مسائل اقبال، (لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۷۶ء)، ۳۶۔
7۔ شیخ محمد اکرم رود کوثر، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۶ء)، ۶۱۰۔
8۔ قاضی سجاد حسین، مولانا جلال الدین بلخی، مثنوی معنوی، ۲۳۔
9۔ میر ولی اللہ، رومی، مثنوی مولانائے روم کا مطالعہ ایک جدید زاویہ نگاہ سے، (ایبٹ آباد: دارالاشاعت، ۱۹۳۷ء)، سرورق۔
10۔ قاضی سجاد حسین، مولانا جلال الدین بلخی، مثنوی معنوی، ۲۶۔
11۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی، سوانح مولانا رومؒ، مرتبہ: سید عابد علی عابد، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء)، ۶۰۴۔
12۔ خواجہ عزیز الحسن، اشرف سوانح، حصہ اول، (لاہور: ایم ثنا اللہ خاں اینڈ سنز، ۱۳۷۸ھ)، طباعت سوم، ۴۷۔
13۔ غلام محمد، حیات اشرف، (کراچی: کاروان ادب، ۱۹۵۱ء) ۱۱۲۔
14۔ مولانا محمد اشرف علی تھانوی، کلید مثنوی، (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۱۸ھ، جلد ۴، ۳، ص ۰۸۔
15۔ تھانوی،، کلید مثنوی، ۳۴۔
16۔ ایضاً: ۳۴۔
17۔ تھانوی،، کلید مثنوی، ۹۔
18۔ ایضاً: ۱۰۔
19۔ ایضاً: ۱۳۔
20۔ تھانوی،، کلید مثنوی، جلد: ۳، ۴، ص ۹۔
21۔ ایضاً: ۱۴۔
22۔ ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، مولوی محمد نذیر عرشی نقش بندی، صاحب مفتاح العلوم، شرح مثنوی، مشمولہ مجلہ، کاوش، لاہور، شمارہ: ۳، ۱۹۹۳، ص ۹۰
23۔ ایضاً: ۰۵۔
24۔ ایضاً: ۰۵۔
25۔ عرشی، مفتاح العلوم، ج: ۶، حصہ سوم، ۳۷۲۔
26۔ عبداللہ خاں عسکری، شرح منظوم، ترجمہ مثنوی، مولانا روم، (لاہور: مطبع حمایت اِسلام، طبع سوم، ۱۹۴۹ء)، ۰۶۔
27۔ ایضاً: ۰۶۔
28۔ ایضاً: ۰۶۔

[29]۔ ایضاً: ۱۸۔
[30]۔ عارف نوشاہی، کتاب شناسی آثار فارسی، (تہران: چاپ شدہ، درشبہ کارہ،، میراث کتب جلد سوم، ۱۳۹۱ش)، ۱۲۹۳۔
[31]۔ ایضاً: ۱۹۔
[32]۔ ایضاً: ۲۳۔
[33]۔ ایضاً: ۳۶
[34]۔ ایضاً: ٦٦۔
[35]۔ ایضاً: ۳۸۱۔
[36]۔ ایضاً: ۱٦۲۴۔
[37]۔ ایضاً: ٦۷۱۔
[38]۔ یونس سیٹھی، نوائے رومی، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن،، ۲۰۱۵ء)، ۱۸۔